March 7, 1983

نہ لاؤ کبھی یاس کی گفتگو کہ قرآن میں آیا ہے لاتقنطوا

EDITOR Sohail Akhtar

THE MESSENGER
FORTNIGHTLY NEWSPAPER

پندرہ روزہ
پیغامبر
اسکاربرو (کینیڈا)
مدیر: سہیل اختر

PERSONNEL
Phone: 416-282-8871

100 CARONIA SQUARE, SCARBOROUGH, ONTARIO. CANADA M1B 2Z8

REPRESENTATIVE
F. J. Kowalski
Phone: 416-922-5258

جمعیت العلمائے ہند نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی مہم چلانے کا اعلان کر دیا

بھارت میں ۳۵ سال کے دوران ہزاروں مسلمان شہید کئے جا چکے ہیں

مسلمانوں کے ساتھ دوسرے درجے کے شہریوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے: اسعد مدنی

نئی دہلی — جمعیت العلمائے ہند کے سربراہ مولانا اسعد مدنی نے کہا کہ ...

بچوں کی لڑائی پر کلہاڑیوں اور لاٹھیوں سے حملہ کر دیا

لاہور — ...

وزراء اور تنخواہ

پشاور — ...

مولانا نورانی ممبئی میں ہونے والی کانفرنس میں شریک ہوں گے

کراچی — ممبئی میں ... کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اس میں شرکت کے لئے مولانا شاہ احمد نورانی ...

صوبہ سرحد میں ایم آر ڈی کے لیڈروں کی گرفتاریاں

کراچی میں متعدد رہنماؤں کے خلاف مقدمات کا اندراج

پشاور — ...

کیا یہ کوڑے تھے ......

میانوالی — میانوالی کی تاریخ میں پہلا ...

حمید نظامی نے مسلمانوں کی سیاسی بیداری میں اہم کردار ادا کیا تھا، مقررین کا خراج عقیدت

لاہور — ممتاز صحافی مرحوم حمید نظامی کو ...

لندن میں ۵۰ سال بعد لیبر پارٹی کی شکست

لندن — ...

انکم ٹیکس سے چھپائے گئے لاکھوں روپے کے اکاؤنٹ کا سراغ

لاہور — محکمہ انکم ٹیکس ...

سابق ججوں کے بیان پر اظہار حیرت

لاہور — ...

۳۵ قوانین کا جائزہ لیا جا رہا ہے

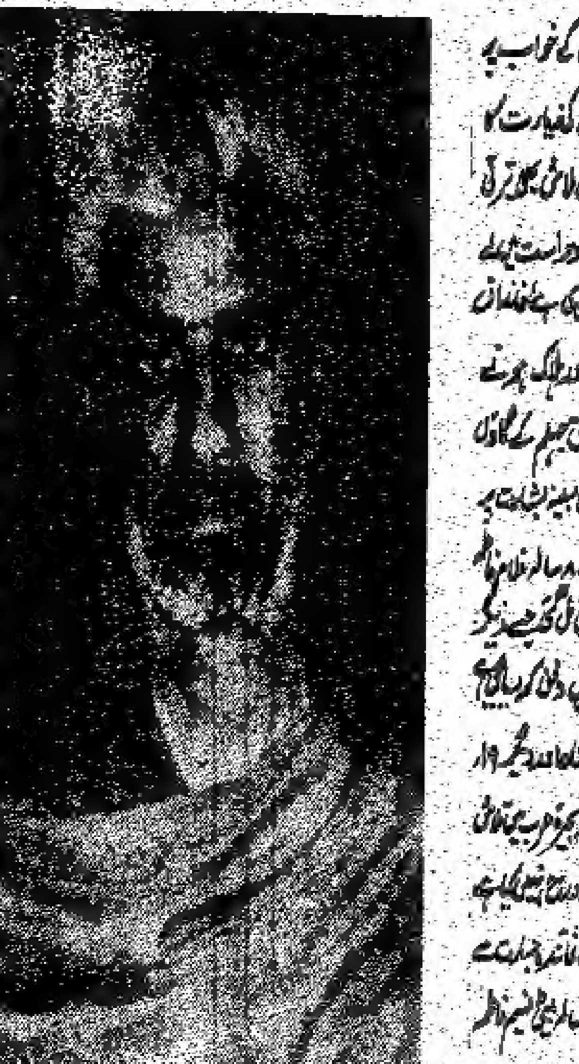
اسلام آباد — ...

نسیم فاطمہ کی بشارت غلط نہیں ہو سکتی، مرنے والے اپنا کیے پا گئے: ولایت حسین

ہم مسلسل ۸ گھنٹے سمندر پر چلتے رہے، ماہی گیر زبردستی پکڑ کر لے آئے

بچنے والے ذرا پشیمان نہیں، ۸۰ سالہ غلام فاطمہ کی لاش بھی مل گئی

کراچی — نوجوان لڑکی کے خواب پر ...



سید ولایت حسین شاہ

کراچی اور لاہور میں خواتین کے جلوس قرآن حکیم کی تعلیمات سے روگردانی ہے

اسلامی احکام پر عمل درآمد کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے ملک و دین سے دشمنی کر رہے ہیں

اکوڑہ خٹک — جمعیت طلبائے اسلام دارالعلوم حقانیہ ...

ڈھاکہ کے انگریزی اخبار میں تبدیلی کا اعلان

DHAKA ...

نوابزادہ نصراللہ خان ناصر کی تازہ غزل



نوابزادہ نصراللہ خان

کتنے بیدرد ہیں صرصر کو صبا کہتے ہیں
کتنے ظالم ہیں کہ ظلمت کو ضیا کہتے ہیں

جبر کو میرے گناہوں کی سزا کہتے ہیں
میری مجبوری کو تسلیم و رضا کہتے ہیں

غم نہیں گر لبِ اظہار پہ پابندی ہے
خامشی کو بھی تو اک طرزِ نوا کہتے ہیں

کل بھی حق بات جو کہنی تھی سرِ دار کہی
آج بھی پیشِ بتاں نامِ خدا کہتے ہیں

یوں تو محفل سے تری اٹھ گئے سب دل والے
ایک دیوانہ تھا وہ بھی نہ رہا کہتے ہیں

یہ مسیحائی بھی کیا خوب مسیحائی ہے
چارہ گر موت کو تکمیلِ شفا کہتے ہیں

بزمِ زنداں میں ہوا شورِ سلاسل برپا
دہر والے اسے پائل کی صدا کہتے ہیں

آندھیاں میرے نشیمن کو اڑانے اٹھیں
میرے گھر آئے گا طوفانِ بلا کہتے ہیں

ان کے ہاتھوں پہ اگر خون کے چھینٹے دیکھیں
مصلحت کیش اسے رنگِ حنا کہتے ہیں

میری فریاد کو اس عہدِ ہوس میں ناصر
ایک مجذوب کی بے وقت صدا کہتے ہیں

Property Owners and Tenants in Metropolitan Toronto

Your 1982 Assessment Notice

Mailing Of Assessment Notices

A 1982 Assessment Notice for 1983 municipal and school taxes was mailed on or before March 10th to every property owner and tenant in the following municipalities:

Borough of East York, Borough of Etobicoke, Borough of York, Borough of Scarborough, City of North York, City of Toronto.

Two Information Inserts mailed with your Assessment Notice explain the appeal procedure and provide the timetable of Open Houses in your area.

Open House Sessions Will Answer Questions

Open House sessions have been planned at convenient times in your Regional Assessment Office to afford you the opportunity to review your assessment with your Assessor.

Assessment staff will be pleased to explain the basis of your property assessment and are authorized to amend all data (school support, assessment, etc.) on your Notice.

You are encouraged to take advantage of this service.

Rolls Available For Review

The Assessment Roll will be available for review at your local municipal office during regular business hours, beginning March 25th, 1983.

If You Wish To Appeal

If you believe you have been improperly assessed in any way, you may file a formal complaint with the Assessment Review Board. The final date for filing an appeal is April 15th, 1983.

Information on appeal procedures is provided on the back of your Assessment Notice and in the Information Inserts.

Residential Properties Insulated With Urea Formaldehyde Foam

A residential property which has been insulated with Urea Formaldehyde Foam (U.F.F.I.) may qualify for a 35 per cent reduction to the residential building portion of the 1982 property assessment.

Those ratepayers whose residential properties are insulated with U.F.F.I. are urged to attend an Open House in their Regional Assessment Office to confirm their eligibility for this assessment reduction.

A. F. Thompson, MIMA
Assessment Commissioner
City of Toronto Regional Assessment Office
2221 Yonge Street
Toronto, Ontario
Telephone 486-6300

E. R. Bailey
Assessment Commissioner
Etobicoke-York Regional Assessment Office
4 Eva Road
Etobicoke, Ontario
Telephone 621-9400

Ministry of Revenue
Ontario

M. K. Bowen, MIMA
Assessment Commissioner
Scarborough-East York Regional Assessment Office
7 Overlea Blvd.
Toronto, Ontario
Telephone 423-1240

S. C. Stephen, MIMA
Assessment Commissioner
North York Regional Assessment Office
55 Doncaster Road
Thornhill, Ontario
Telephone 889-9503

TRANSLATED BY THIS PUBLICATION FROM TEXT PROVIDED BY THE ONTARIO MINISTRY OF REVENUE.

پیغامبر
THE MESSENGER
Editor & Publisher SOHAIL AKHTAR
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفاہمت کی پیش کش

گزشتہ کچھ عرصہ سے پاکستان میں سیاستدانوں اور موجودہ حکومت کے درمیان پیدا شدہ کشیدگی، اختلافات اور دُوری کم کرنے کے لئے متعدد شخصیتوں نے پیش رفت کی کوشش کی ہے۔ مولانا شاہ نورانی نے گول میز کانفرنس کے ذریعے مفاہمت کی راہ نکالنے کی سعی کی ہے۔ ایک بزرگ سیاست دان یوسف ہارون نے اپنے فارمولے کے تحت سیاستدانوں اور موجودہ حکمرانوں کے درمیان حائل خلیج کو پاٹنے کی کوشش کی، آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار عبدالقیوم خان نے بھی حکومت اور سیاستدانوں کے درمیان مفاہمت اور خیر سگالی کے جذبات اُبھارنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اور اب پرانے مسلم لیگی رہنما میاں ممتاز دولتانہ نے دوسری مرتبہ پیش کش کی ہے کہ اگر حکومت چاہے تو وہ سیاستدانوں اور حکومت کے درمیان مفاہمت کرانے کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ اکثر سیاسی حلقوں اور رہنماؤں سے ان کے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ اور مشکلات کے باوجود وہ کسی قابلِ قبول راستے کی تلاش میں پُرامید ہیں۔

میاں صاحب کی اس پیشکش کے بارے میں جب صحافیوں نے جنرل ضیاء الحق سے پوچھا کہ اگر کوئی غیر جانبدار اور معتمد سیاسی شخصیت حکومت اور سیاستدانوں کے درمیان مفاہمت کرانے کی پیش کش کرے تو کیا آپ ان کی ثالثی پسند کریں گے؟ تو جنرل ضیاء الحق نے کہا کہ حکومت اور سیاستدانوں کے درمیان کوئی کشیدگی یا اختلافات نہیں۔ اس لئے مصالحت یا ثالثی کی سرے سے ضرورت ہی نہیں۔ جنرل موصوف کے اس بیان پر بیشتر سیاسی رہنماؤں نے اپنے ردِعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے خیالات، حقائق سے انحراف کے ہم معنی ہیں۔ اگر حکومت کا یہی رویّہ رہا تو موجودہ گھٹن اور بے چینی کی فضا اور زیادہ مکدر ہو جائے گی۔

میاں ممتاز دولتانہ نے کہا ہے، اگر حکومت سیاستدانوں کو کمزور سمجھتی ہے۔ اور اُن کے خیال میں سیاستدان ان کے لئے مشکلات پیدا نہیں کر سکتے اور سیاست دان یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت کی غلطیاں خود ہی ان کے زوال کا باعث بنیں گی تو یہ صورتِ حال انتہائی نازک اور قومی مفادات کے خلاف ہے۔

ہم موجودہ حکمرانوں سے مخلصانہ گذارش کرتے ہیں کہ انہیں مفاہمت اور خیر سگالی کے مواقع ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔ اور ملک میں پیدا شدہ جمہوری خلاء اور آئینی تعطل کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ خطرات اور مشکلات کے وجود سے انکار کر کے ہم اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے۔

سچی باتیں

(از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم)

کلکتہ کی مشہور رقاصہ، جس کے گانے کی دھوم سارے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی، مر گئی۔ مسلمان گھر میں پیدا ہوئی، خدا کرے موت بھی مسلمانوں کی طرح آئی ہو۔ اخبارات میں چھپ رہا ہے کہ اتنا چھوڑ کر مری۔ یہ کوئی نہیں لکھتا کہ ساتھ لے کر کیا گئی۔ دنیا میں گانے کے فن کی سنگت کی، اداؤں کی بڑی قدر ہوئی۔ خدا معلوم یہ قدر دانیاں اس وقت کیا کام آئیں، جب روح جسم کے پردے چھوڑنے لگی، آنکھیں پتھرانے لگیں، اور سانس گلے میں رکنے لگی۔ محفلوں میں خوب واہ واہ ہوتی رہتی تھی، معلوم نہیں ملک الموت نے ان کمالات کی کہاں تک قدر کی۔ زندگی میں بہتوں کے دل لبھائے بہتوں کی جانیں لیں، جب خود اپنی جان پر آبنی، جب وقت کے ایک ایک لمحہ کے حساب دینے کا وقت آ پہنچا، اس وقت اپنے دل پر کیا گزری؟ جو گزر جانے والی دنیا تھی، گزر گئی، جو ہمیشہ والی زندگی حاصل ہوئی، وہاں کیا بیتی؟ زندگی میں تصویریں کھینچنے والے بہت سے تھے، سکراتِ موت کے وقت کا نقشہ کسی نے نہ کھینچا۔

امریکہ سے خبر آئی ہے، کہ وہاں کی مشہور رقاصہ اور ایکٹرس مسز ڈینا ڈانکن دنیا سے رخصت ہو گئی۔ کسی ملک میں نہیں، ساری متمدن دنیا میں شہرت و ناموری حاصل تھی۔ امریکہ اور فرانس، یہ دو ملک خاص طور پر حسنِ صورت و حسنِ صوت کے قدردان ہیں۔ متمدن دنیا کا کوئی نگار خانہ (آرٹ گیلری) ایسا نہیں، جہاں رقاصہ کا مرقع آویزاں نہ ہو۔ بڑے بڑے اہلِ فن نقاش اسی تمنا میں رہتے تھے کہ اس کا حسن انہیں تصویر کشی کا موقع دے۔ حسن و جمال کا یہ عالم کہ جدھر گزر گئی، ایک قیامت برپا ہو گئی۔ خوش گلوئی کا یہ کمال، کہ منہ سے ادھر بول نکلے اور ادھر ساری محفل لوٹ گئی۔ قدردانی اور قدردانوں کی انتہا نہیں، اخباروں اور رسالوں میں بار بار چھپتا تھا کہ دنیا سے زیادہ کسی عورت کی دستی تصویریں نہیں شائع ہوئی ہیں۔ دولت کا یہ حال، کہ اچھے اچھے کروڑ پتی امیروں کو رشک۔ ابھی یہ سب کچھ تھا ابھی زمانے نے رنگ بدلا۔ حسن کی دیوی بیمار پڑی، اور بیماری سے اٹھی تو سارے قدردان اور سارے جاں نثار رخصت۔ کتابوں کا ذخیرہ فروخت کیا۔ ہزاروں ڈالر سے اوپر قیمت آئی۔ فرنیچر کی نوبت آئی۔ بیچارہ کو ڈالر پر نیلام ہوا۔ افلاس اس سے بھی دو چند ہو گیا، اور جب موت کا وقت آیا، تو جس رقاصہ کے خرام ناز کے لیے ایک عالم آنکھیں بچھاتا تھا اس نے اپنے آپ کو بے مونس و بے غم خوار تنہا، بےکس، ایک تنگ و تاریک کمرے کے اندر، ٹوٹے پھوٹے بستر پر دم توڑتے پایا، اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئی۔

جلسوں کی واہ واہ ختم ہو گئی۔ اہلِ محفل کی داد خاموش ہو گئی، قدر دانوں کی قدردانی کچھ کام نہ آئی۔ حرام کی کمائی نے ساتھ نہ دیا۔ لاکھوں ہی کمائے اور ہزاروں ہی اڑائے۔ جب وہ وقت آیا جس کا آنا سب کے لیے لازم ہے، تو آنکھیں کھلیں اور سب معلوم ہوا کہ کام آنے والی چیزیں کیا تھیں! شریکِ عشرت سب تھے، شریکِ مصیبت کوئی نہ ہوا۔ عمر بھر کی کمائی کا بوجھ سر پر اور سابقہ بالاخر اس سے پڑ کر رہا، جس کے دربار میں زندگی کی ایک ایک سانس کا اور وقت کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے! کاش یہ وقت یاد رہا ہوتا! — کاش اوروں کو دیکھ ہم کو اور آپ کو یہ وقت یاد رہے!

کرنیں

بشیر احمد

- دشمنوں کے ساتھ اس طرح گفتگو کرو کہ اگر وہ کبھی دوست بھی بن جائیں تو تمہیں شرمسار نہ ہونا پڑے۔
- میں جانتا ہوں کہ دنیا کہاں جائے گی۔ مگر میں حیران ہوں کہ دنیا اس وقت کہاں جا رہی ہے۔
- اللہ تعالیٰ دو قطروں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اول لہو کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرے دوم آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلے۔
- جسے سال بھر کوئی تکلیف نہ پہنچے تو وہ سمجھ لے کہ رب اس سے ناراض ہے۔
- جس پر کوئی نصیحت اثر نہ کرے اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔
- موت کو یاد رکھنا نفس کی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔
- خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے اور بھرا ہوا پیٹ اس کا اکھاڑا ہے۔

تیمرا شاہ

کوئی چیز اس عقل سے بہتر نہیں جس کی زینت علم سے ہو۔ اور کوئی چیز اس علم سے بہتر نہیں جس کو علم و بردباری نے زینت بخشی ہو۔ کوئی چیز اس صداقت و سچائی سے بڑھ کر نہیں جس کو نرمی نے حسن بخشا ہو اور کوئی چیز اس نرمی سے خوب تر نہیں جس کو تقویٰ سے آراستہ کیا گیا ہو۔ بلاشبہ اخلاق کریمانہ اور عقلمندی کا دارومدار آبرو کی حفاظت، غرض کی ارزانگی، عہد کو پورا کرے اور وعدے کے پابندی پر ہے!

نثار احمد

- دو چیزوں کی قدر ان کے چلے جانے کے بعد ہوتی ہے۔ صحت اور شباب۔
- دو عادتیں مومن میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ بخل اور بد خلقی۔
- دو چیزیں خاموش رہتے ہوئے بھی گویا ہیں۔ وقت اور صبر۔
- دو عادتیں ایسی ہیں جن سے افضل کوئی عادت نہیں، ایمان باللہ اور خلق کی نفع رسانی۔
- دو سروں کی طرف سے بے نیاز ہونے میں انسان کی عافیت ہے۔ حاکم اور حکیم۔
- دو چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر وقت بچے رہنا لازمی ہے۔ دشمن کا مکر اور دوست کا حسد۔
- دو آوازوں پر دنیا و آخرت میں پھٹکار ہوگی۔ انعام خداوندی کے وقت باجے کا اور رنج و مصیبت کے وقت ہائے واویلا۔
- دو عادتوں سے بڑھ کر کوئی خبیث نہیں اللہ کے ساتھ شرک اور مخلوق کے ساتھ ایذا رسانی۔
- دو لوگ سدھر جائیں گے تو امت سدھر جائے گی اور یہ بگڑ جائیں تو امت میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا حکمران طبقہ اور علماء کرام۔
- دو آنکھیں اللہ کو بہت محبوب ہیں خوفِ خدا کی وجہ سے جاگنے والی اور سرحدوں کی حفاظت میں۔

محمد اسد

میری خالی آنکھوں میں جو خواب جگا اترا وہ تیرا تھا۔ میرے گھر کی خاموشی نے جو لفظ بھی کہا وہ تو ہی تھا۔ میرے ٹوٹے ہونٹوں نے جو نام بھی لکھا وہ تیرا تھا۔ جاگتی آنکھوں میں جو کوئی بھی شخص ملا وہ تجھ سا تھا۔ سوچتا ہوں یہ سارے روپ تمہارے ہیں تو میں کیا ہوں!"



ببر شیر

★—— انور شیخ ٹورانٹو، کینیڈا

انور شیخ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ پاکستان ہو یا انگلستان یا شمالی امریکہ جہاں بھی رہے وہاں کے اخباروں اور رسالوں میں لکھتے رہے ہمیں فخر ہے کہ پیغام سیر کو انور شیخ کا تعاون شروع سے حاصل رہا ہے ابھی حال ہی میں آپ چھٹیاں گزارنے پاکستان گئے تھے۔ وہاں سے وہ ایک بڑی خوبصورت سی چیز "ببر شیر" ہمارے لیئے بطور تحفہ لائے ہیں۔

ہم یہ تحفہ قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

ابھی ہم "ٹونی براؤن"، "یہ گتے" اور "حاجی بابا" کو بھولنے بھی نہ پائے تھے کہ "ببر شیر" آ دھمکا۔ ہمیں یقین ہے کہ "ببر شیر" کو پڑھنے کے بعد آپ بھی بے ساختہ کہہ اٹھیں گے "خوش کیتا ای"۔

(ادارہ)

چیئرنگ کراس سے گزرتے ہوئے میں نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ پنجاب اسمبلی کے سامنے اس چبوترے پر ڈالی جہاں کسی زمانے میں ملکۂ انگلستان وکٹوریہ کا بت نصب ہوا کرتا تھا اب یہاں طلائی حروف سے لکھا جانے والا قرآنِ حکیم کا ایک نسخہ بطور نمائش رکھا ہوا ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔

اللہ کی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ جس کی حفاظت پر سینے تانے بندوق تھامے چاق و چوبند فوجی مامور ہیں۔ ذرا آگے ہوٹل انڈس شاید واقعات و حالات کے ریلے میں اب بہہ چکا ہے آج کل یہاں ایک بین الاقوامی ہوائی کمپنی کا دفتر ہے جس کے باہر بیرونی ملک پر تولنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں۔ کیسینو (CASINO) لارڈز (LORDS) بنا اور اب وہ بھی بند ہوا۔ شاید یہ بھی کسی ہوائی کمپنی یا ٹریول ایجنسی کا مسکن بنے گا۔ بیڈن روڈ سے کونے والا شیزان عرصہ ہوا بند ہوا۔ باوا ڈنگا سنگھ بلڈنگ کے سامنے گارڈینیا (GARDENIA) ریستوران پر بھی اب خاک سی اڑ رہی ہے۔ پنجاب ہائی کورٹ کے برابر بڑے ڈاک خانے کے گھڑیال کی سوئیاں ایک دوسرے کا تعاقب سا کرتی ہوئیں ہر آنے جانے والے کو شاید یہ یاد کراتی ہیں کہ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ کمرشل بلڈنگ کے نکڑ والا سینڈو پہلوان پان والا چل بسا۔ پان کی گلوری بنا کر بہ اصرار انتہائی شفقت و خلوص سے خود گاہکوں کے منہ میں رکھنے والا سینڈو پہلوان۔ ملک الموت کو شاید یہی ادا بھا گئی ورنہ ہر روز صبح شاہی قلعہ کی سیڑھیوں پر ایک ہی نشست میں سینکڑوں بیٹھکیں لگانے اور ڈنڈ پیلنے والے پہلوان بھی یوں جانے والوں میں سے نہ تھے۔

زمزمہ اور کربلا گامے شاہ کی مسافت طے کرتے ہوئے حضرت علی ہجویریؒ المعروف گنج بخش کے روضہ پر حاضری دی۔ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کسی اور کی گدائی سے بے نیاز روضۂ گنج بخش جہاں جانے کتنی صدیوں سے فاتحہ خوانوں کے ہجوم اسی شوق و عقیدت سے امڈے چلے آ رہے ہیں۔ راوی روڈ اور مینارِ پاکستان سے ہوتے ہوئے مصورِ پاکستان علامہ اقبالؒ کے مزار کی راہ لی۔ شاہی قلعہ اور حضوری باغ کے بالمقابل اور بادشاہی مسجد کے پہلو میں یہ محسن ملّت ہزاروں من مٹی تلے دبا دنیا و مافیہا سے بے خبر ابدی نیند سو رہا ہے۔ اس طرح قریب ہی بے خبر جو مزار کے باہر پہرے پر متعین ہے۔ یہاں سے فاتحہ خوانی کے بعد براستہ سرکلر روڈ عازم انارکلی ہوا۔ سرکلر روڈ سے تماشہ دکھانے والے مداری اور قسمت کا حال بتانے والے نجومی اب دکانیں اٹھا چکے ہیں۔ شاید تماشۂ زیست دیکھنے یا اپنی قسمت آزمانے خود ہی بیرون ملک سدھار گئے ہوں۔

لاہوری تانگوں اور رکشہ بانوں کی جگہ اب زناٹے بھرتی ہوئی کاروں اور موٹر اسکوٹر رکشاؤں نے لے لی ہے جنہوں نے جانور کیا انسان کو بھی پچھاڑ دیا اور آج کا انسان تو جانوروں سے بھی زیادہ بے بس اور لاچار ہو گیا ہے۔ لیکن لاہور بہرحال لاہور ہے جہاں شیخ ہر رنگ میں سحر ہونے تک جلتی ہے۔ جس کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی کوئی اجنبی اجنبی نہیں رہتا جس کے شہریوں کے کشادہ سینے ہر آئے مہمان کو سمو لینے کیلئے منتظر رہتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں پیار کا "راوی" ہر دم موجزن رہتا ہے۔ قرار داد پاکستان کا مینارِ دو شنبا ہوں اور ایک ملک کی آخری آرام گاہ داتا کی نگری شہر لاہور، عبل البحر حلوائی کی دوکان پر کھڑے کھڑے تازہ پوری حلوہ سے ناشتہ کرنے والوں، کسی کونے میں کھڑے گرم گرم حلیم اور چٹپٹے نان کبابوں کا مزہ لینے والوں، فرط مسرت سے بے قابو ہو کر سینما ہال میں بے اختیار خوشی کا نعرہ لگا دینے والے زندہ دلوں کا شہر لاہور۔ زندہ دلانِ لاہور جن کی جوشِ ایمانی متحرک اور حمیت بیدار ہو جائے تو راتوں رات مسجد تعمیر کر دیں۔ تحفظ دین و ملت کی خاطر بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جانے والوں اور اپنی گردن کٹوا دینے والوں شمعِ رسالت کے پروانوں، تاریخ کو شہیدوں کے لہو سے ازسرِ نو رقم کر دینے والے مجاہدوں و غازیوں کا شہر لاہور ہم سب کا لاہور جو پاکستان کا دل ہے اور جس کی محبت سے کیا اپنے کیا غیر سب ہی سرشار ہیں۔

انار کلی میں بخشی مارکیٹ کے سامنے والی گلی کے موڑ پر ایک نوخیز گبرو بدن کا دیہاتی دو ننھے منے بلوں کو جنہیں کتے سے کم عمر پلے دیا "لے لو جی ببر شیر۔ لے لو جی ببر شیر" کی صدا نہ جانے کب سے لگا رہا تھا۔ ایک راہگیر چلتے چلتے اچانک رک گیا اور ان پلوں کو بغور دیکھنے لگا اور پھر اس دیہاتی سے یوں گویا ہوا

"یہ کیسے شیر ہیں جو نہ ہلتے جلتے ہیں نہ ہی کچھ بولتے ہیں"۔

"انہیں جنگ پلا رکھی ہے" قریب ہی ایک دکاندار نے گلی میں پوری جاڑتے ہوئے آواز کسا۔ ساتھ ہی فروٹ جوس کی دوکان پر فٹ فٹ تازہ جوس پیتے ہوئے ایک فربہ اندام خاتون کو دکاندار کی اس طرح لوری جاری رہنے والی حرکت بہت بری لگی اور اس نے جھٹ سے دوپٹے کا پلّو ناک پر رکھ لیا۔ دکاندار کی بات سنتے ہی کتوں کے مالک نے فوراً دفاع کیا "نہیں بادشاہو یہ تو اس وقت اپنے مالک کے کلیجے سے لگے ہیں اسی لیے خاموش ہیں۔ بڑی اونچی نسل ہے بالکل ببر شیر"۔ راہگیر نے کچھ سوچ کر دونوں پلے اپنے ہاتھوں میں لیئے اور بڑے پیار سے انہیں پچ پچ کرنے لگا۔ مالک سے اجنبی ہاتھوں میں آنے کے باوجود پلوں کی ظاہری حالت میں کوئی نمایاں فرق نہ آیا اور وہ اسی طرح آنکھیں موندے گم سم سے تھے۔ دیہاتی بدستور کہے چلا جا رہا تھا "ببر شیر ہیں یہ ببر شیر"۔ راہگیر نے جو اس "سوتے ہوئے شیروں" سے قطعاً متاثر نہ ہوا تھا انہیں مالک کو لوٹاتے ہوئے مایوسی کے عالم میں کہا "ہونگے ببر شیر مگر فی الحال سوئے ہوئے ہیں"۔ دیہاتی کچھ نہ بولا اور اسی طرح "لے لو جی ببر شیر لے لو جی ببر شیر" کی صدا لگانے لگا۔



انور شیخ

انار کلی سے باہر نکل کر میں ایک کتابوں کی دوکان میں جا گھسا ایک لمبی فہرست میرے ہاتھ میں تھی "کیا آپ کے پاس پاکستان کے قومی لیڈروں کی تصاویر ہیں؟" ایک خوش پوش نوجوان انتہائی خستہ لہجے میں دکاندار سے مخاطب تھا۔ "جی ہاں" دکاندار نے جواب دیا "قائداعظم کی ہے لیاقت خان مرحوم کی ہے اور ......کی ہے"۔ دوکاندار کا لہجہ کچھ مدھم ہو گیا تھا۔ "کس کی؟" نوجوان تیسرا نام اچھی طرح نہ سن سکا تھا۔

"......کی"۔ دوکاندار کا گلا نہ جانے کیوں رندھا ہوا سا تھا۔

"مجھے اس ......کی تصویر نہیں چاہیئے" نوجوان کا لہجہ اچانک غیر شائستہ ہو گیا اور وہ غصہ سے بھنایا ہوا دکان سے نکل گیا۔

کتابوں کا ایک بڑا پلندہ ہاتھوں میں تھامے چائے پینے کے خیال سے میں قریب کے ایک ریستوران میں داخل ہوا۔ ایک خالی میز پا کر میں نے کتابیں اس پر رکھیں اور ویٹر سے چائے لانے کیلئے کہا۔ "اگر آپ اسکول ٹیچر نہیں تو غالباً کتابوں کے سیلز مین ہیں"۔ سوال کرنے والے کی اچانک آواز نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے دائیں ہاتھ میری میز سے ملحق میز پر ایک صاحب بڑی بے تکلفی سے بغیر اجازت طلب کئے میری کتابوں کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے مجھ سے مخاطب تھے

"نہیں جناب نہ تو میں اسکول ٹیچر ہوں اور نہ ہی کتابوں کا سیلز مین" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر اتنا ڈھیر ساری کتابوں کا کیا کریں گے؟ کیا شغل ہے آپ کا؟" اس نے ایک ہی سانس میں دو سوال کر دیئے۔

"میں پاکستان سے باہر مقیم ہوں، اور آجکل یہاں چھٹیوں پر آیا ہوں یہ کتابیں ذاتی مطالعے کیلئے ہیں"۔ میں نے بات کو مختصر کرنا چاہا۔

"خوش کیتا ای" وہ اچانک خوشی سے بے قابو ہو گیا۔ "تعجب ہے کہ آپ چھٹیوں پر پاکستان آئے ہیں۔ یہاں تو ہر شخص ملک سے باہر جانے کی فکر میں ہے۔ یہ جو لوگ اپنی مرضی سے باہر ملکوں میں بس گئے ہیں آخر کونسی چیز ہے جو انہیں بار بار یہاں کھینچ لاتی ہے" اس نے سوال کیا —— مجھے اس کے اس طرح کے طرزِ گفتگو سے تعجب تو ضرور ہوا لیکن میں نے قدرے متانت سے جواب دیا "پاکستان جو عزیز و اقارب، دوست احباب اور سب سے بڑھ کر وطن کی محبت، جس کا احساس وطن سے باہر رہ کر ہی ہوتا ہے۔ شاید آپ کے علم میں نہ ہو باہر ملکوں میں مقیم پاکستانی ہر وقت پاکستان کے استحکام اور سلامتی کیلئے دعاگو رہتے ہیں غیر پاکستانی شناسا بھی اکثر یہاں کے

باقی صفحہ ۷ پر

آپ بیتی جگ بیتی

ترتیب: عفت اے ملک



راوی۔ ہما ناز

میں نہ تو افسانہ نویس ہوں اور نہ ہی زیادہ پڑھی لکھی عورت ہوں، آپ کو اگر اس کہانی میں کوئی غلطی نظر آئے تو اس بہن کو معاف کر دیں۔

میں ہندوستان کے ضلع سنگرور میں پیدا ہوئی، جب ذرا ہوش سنبھالا تو پتہ چلا کہ ہمارا گھرانہ درمیانے طبقے سے تعلق رکھتا ہے خدا کا دیا کیا نہ تھا۔ سب کچھ تھا، والد صاحب فوج میں صوبیدار تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب فوج کے سپاہی کی بھی بہت عزت ہوتی تھی۔

میرا بچپن اور لڑکپن بہت اچھا گزرا سو بہار ہی بہار تھی، خزاں کے نام سے نا واقف تھی، جوانی میں قدم رکھا تو ماں باپ کو میری شادی کی فکر ہوئی میرے چچا کے لڑکے کے ساتھ مجھے منسوب کر دیا گیا۔ میرے چچا کا گھرانہ تیسرے درجے کا تھا۔ تمام خاندان کھیتی باڑی کیا کرتا تھا صرف میرا شوہر پولیس میں سپاہی تھا۔

اسی زمانے سے میرے دکھوں کی داستان کا آغاز ہوتا ہے، یہیں سے میری بربادیوں کا دور شروع ہوتا ہے، میری شادی کے چند روز بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا، میرے ساتھ ظلم کی انتہا تو دیکھو کہ میرے سسرال والوں نے سات روز بعد مجھے بتایا کہ تمہاری والدہ وفات پا گئیں ہیں، میں وہ بد نصیب ہوں جس نے آخری وقت بھی اپنی والدہ کا منہ نہ دیکھا، والد کے گھر چند روز رہنے کے بعد میں واپس سسرال میں آ گئی۔ میرے والد صاحب یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور وہ بھی سفر آخرت پر روانہ ہو گئے ابھی ایام میں میری نند کی شادی تھی اس دفعہ پھر میرے سسرال والوں نے مجھے نہ بتایا کہ تمہارے والد صاحب وفات پا گئے ہیں اور میں آخری بار ماں باپ کے گھر گئی اور واپس آتے ہوئے اپنے بھیا کو بھی ساتھ لے آئی اس لئے کہ اس کا میرے سوا اور کوئی نہ تھا اس بھری دنیا میں ہم دو بہن بھائی ہی ایک دوسرے کے دکھوں اور محرومیوں کے ساتھی تھے میں اپنے سسرال پہنچی اور ابھی سامان ہی رکھا تھا کہ ساس نے گندے برتن میرے آگے رکھ دیئے میں کچھ نہ بولی کیونکہ یہ گھر کا کام شروع کر دیا میرا چھوٹا وجود میرے بھیا کا ہم عمر تھا وہ دونوں پہلے روز ہی آپس میں لڑ پڑے میرے سسرال والوں کا ظلم دیکھئے کہ انہوں نے میرے معصوم بھائی کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا میں بد نصیب خاموشی سے خون کے آنسو روتی رہی اس لئے کہ مجھے دل کھول کر رونے کی اجازت نہ تھی۔

جب بھی میرے شوہر چھٹی لے کر آتے اس روز مجھے صاف کپڑے پہننے کو دیئے جاتے۔ اس پر یہ ظلم کہ میری ساس اپنے بیٹے سے کہتی ہے دیکھو شہزادی آرام سے یہاں بیٹھی رہتی ہے گھر کا کام کاج نہیں کرتی اور مجھ پر حکم چلاتی ہے۔

یہ سن کر میرا شوہر مجھ پر جوتوں اور گھونسوں کی بارش کر دیتا۔ میرا رنگ کالا ہے اگر کہیں رشتہ داروں میں کوئی خوشی کی تقریب ہوتی تو مجھے اپنے ساتھ نہ لے جایا جاتا وہ اس بات کا طعنہ دیتیں کہ تمہارا رنگ کالا ہے۔ ہمیں تمہارے ساتھ چلتے ہوئے شرم آتی ہے میں خاموشی سے اپنی قسمت پر روتی رہتی اور خدا سے دعا کرتی ہے کہ اے خدا مجھے ان دکھوں سے نجات دلا دے۔

وقت اسی طرح گزرتا رہا اور میں دکھوں کی چکی میں پستی رہی میں نے اب تک اپنے شوہر سے بھی نہیں کہا کہ یہ لوگ مجھ پہ کس کس طریقے سے ظلم کرتے ہیں، مجھے پڑھنے کا بے حد شوق تھا اور رات کو جب کام کاج سے فارغ ہو کر کتاب لے کر پڑھنے بیٹھتی تو میرا دیور مجھے پڑھنے بھی نہ دیتا اور مجھ سے کتاب چھین کر اسے آگ لگا دیتا۔

وقت اپنی رفتار سے گزرتا گیا میرے ہاں بچی پیدا ہوئی۔ اتوار کا روز تھا اور سب گھر پر ہی تھے اس لئے سب گھر تھے۔ اتفاق سے میری لڑکی نے اپنے دادا پر پیشاب کر دیا اس پر میرے سسر اور خاوند نے اپنے ظلم کی انتہا کر دی۔ آج بھی اس مار پیٹ کی ٹیسوں کا کرب باقی ہے مگر میں یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔

کچھ عرصہ کے بعد میرے ہاں خدا نے لڑکا دیا تو مجھے عزت سے دیکھا جانے لگا مگر ابھی میرے مقدر میں خدا نے مزید دکھ لکھے ہوئے تھے یہ عارضی خوشیاں مجھے راس نہ آئیں اگرچہ مجھے آنے والے دکھوں کی پرچھائیوں کا علم تھا لیکن میں مطمئن تھی کہ اب زندگی خوشگوار ماحول میں بسر ہو گی۔

میرا شوہر اب ایس ایچ او ہو گیا تھا قسمت نے پھر کروٹ لی اور میری زندگی کے چمن میں پھر سے خزاں آ گئی کیونکہ میرے شوہر نے ایک طوائف سے اپنے تعلقات استوار کر لئے تھے مجھ سے یہ برداشت نہ ہو سکا میں نے اپنے شوہر کو روکا۔ مگر انہوں نے مجھے اس قدر مارا پیٹا کہ میں بے ہوش ہو گئی جب ہوش آیا تو گھر سے باہر پڑی ہوئی تھی میں نے رو پیٹ کر دروازہ کھلوایا اور اپنی بد نصیبی پر چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔

ایک روز میں اپنے خاوند کو واپس لانے کے لئے طوائف کے کوٹھے پر گئی تو اتفاق سے طوائف مجھے اکیلی مل گئی میں نے رو رو کر اپنے دکھوں کی داستان اسے سنائی اس کی رگوں میں شریف باپ کا خون تھا اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور کہا۔ اب تمہارا شوہر اس کوٹھے پر نہیں آئے گا تم میری بہن ہو اور میں تمہارا سہاگ اجڑنے نہیں دوں گی اگلے روز میرا شوہر دوبارہ اس کے کوٹھے پر گیا تو اس عظیم عورت نے اسے ذلیل کر کے نکال دیا انہیں شرم آ گئی اور وہ راہ راست پر آ گئے اب میری زندگی میں پھر سے بہار آ گئی میرا گھر ایک بار پھر جنت بن گیا۔ میرے شوہر اب غریبوں پر رحم کھانے لگے اپنے گناہوں کی خدا سے معافی مانگتے ہیں۔

میں شروع سے نماز روزہ کی پابند تھی روزانہ کلام پاک پڑھتی۔ وقت گزرتا گیا، بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار آتی رہی اور جاتی رہی مگر میری زندگی خزاں سے محفوظ تھی۔ اب بھی دکھ قریب نہ آیا۔

میں پانچ لڑکیوں اور ایک لڑکے کی ماں بن گئی تھی بڑی لڑکی نویں میں اور لڑکا آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا اب میں خوش اور مطمئن تھی مگر ایک بار پھر بد قسمتی اور حالات کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا اور میری زندگی میں زلزلہ آ گیا ایک بار پھر خزاں نے میرے گھر کے چمن کو لوٹ لیا۔

میرا شوہر گھر سے باہر رہنے میں مصروف ہو گیا پہلے پہل تو دو یا تین روز تک باہر رہتا پھر ایک بار ایسے گئے کہ تین ماہ تک لوٹ کر نہ آئے۔

کسی عزیز سے پتہ چلا کہ میرے خاوند نے رینالہ خورد میں کسی شمیم نامی نوجوان لڑکی سے شادی کر لی ہے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں خاموش ہی تو ہو گئی آخر کیا کرتی کسی کونے میں بیٹھ جاتی اور بچے رونے لگ جاتے مگر وہ واپس نہ آئے۔ میں اپنے شوہر کو لینے کے لئے رینالہ خورد گئی تو مجھے پتہ چلا کہ شمیم کو چھوڑ کر آج ہی چلے گئے ہیں۔ انہوں نے اس سے کوئی شادی نہیں کی تھی میں بے حد خوش ہوئی اور یہ سوچ کر واپس آ گئی کہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ بسے گھر نہیں دیکھ سکتے اس لئے ہی مجھے میرے خاوند کے خلاف بھڑکایا گیا تھا۔

میں جلدی جلدی گھر آئی دروازے سے چابی نکال کر کمرہ کھولا تو سامنے ٹیبل کے اوپر طلاق نامہ پڑا ہوا میرا منہ چڑا رہا تھا، لیے لگتا تھا۔۔۔ جیسے کہہ رہا ہو تم کیوں بہاروں کے پیچھے بھاگتی ہو تمہاری قسمت میں تو خزاں ہی خزاں ہے۔ میں نے اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا جب وہ گھر آئے تو میں نے بے حد روئی اور ان سے پوچھا کب تک مجھے ان دکھوں میں رکھو گے کبھی تو سکھ کا سانس لینے دو۔ بچوں کے مستقبل کا ہی سوچا ہوتا۔ بچے جوان ہیں شادی تو ان کی کرنی چاہئے تھی مگر آپ نے خود کر لی۔ میں اس قدر روئی کہ ان کا پتھر دل موم ہو گیا اور وہ میرے پاؤں پکڑ کر کہنے لگے مجھ سے غلطی ہو گئی ہے مجھے معاف کر دو اور طلاق نامہ مجھ سے لے کر آگ میں ڈال دیا میرے شوہر کی ایک منہ بولی بہن بنی ہوئی تھی اسے اس بات کا پتہ چلا تو وہ آئی۔ اتفاق سے اسے شمیم کا والد مل گیا۔ اس کا نام عنایت تھا میری منہ بولی نند نے اسے کہا۔ شرم نہیں آتی بچوں کے باپ کو اپنی جوان لڑکی دیدی ہے تم نے تھانیدار دیکھ کر اپنی بیٹی کا سودا کر دیا کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ یہ سات بچوں کا باپ ہے عنایت اس قدر شرمندہ ہوا کہ اپنے ملک پاکستان کو چھوڑ کر چلا گیا اور تین سال سے اس کا پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

میری بڑی لڑکی نے میٹرک کر لیا ہے بیٹے نے اس سال میٹرک کا امتحان دیا ہے اب میرے شوہر اکثر میرے پاس رہتے ہیں اور ہماری ہر خواہش کا احترام کرتے ہیں مگر پھر بھی ایک دو ایک بہانہ بنا کر شمیم کے پاس چلے جاتے ہیں وہاں سے آ کر انہوں نے کبھی نہیں بتایا کہ میں وہاں گیا تھا بلکہ کہتے ہیں کہ فلاں مقدمے کی تاریخ ملتان یا ساہیوال میں تھی یا کوئی دوسرا بہانہ لگا دیں گے۔ جب میں ان سے شمیم کو چھوڑنے کا کہتی ہوں تو قرآن اٹھا کر کہتے ہیں کہ میں اسے جلد چھوڑ دوں گا۔ خدا جانے وہ جلدی کہاں کب آئے گا۔

مجھے اب اس روز کا انتظار ہے جب کوئی آ کر کہے گا تمہارے شوہر نے دوسری بیوی کو طلاق دے دی ہے تمہاری بہاریں پھر واپس آ گئی ہیں۔ مبارک ہو بہن۔

ہر نماز کے بعد یہی دعا کرتی ہوں۔ اے خدا خزاں کے اس موسم کو جلد ختم کر اور میری زندگی کے گلشن میں پھر سے بہار بھیج دے، کلیاں پھول، رنگ، خوشبو سب کچھ میری زندگی میں بھر دے تاکہ اس صحرا جیسی زندگی بے رنگ اور خوشبو سے خالی زندگی سراب میں بھٹک کر کھو جانے کی بجائے ایک بار پھر بھری بہار کے ایسے موسم سے دوچار ہو کہ یہ موسم آئے تو پھر اگر نہ جانے دیں اس موسم کو اپنی آنکھوں سے ہی اپنے دل میں، اپنے آپ میں جذب کر لوں گی۔

شبنم بلی

کچھ کر جا ہنس کا نفسیہ پچھلا گیا

وہ میرا فلسفی تھا یہ میری خودداری ہے

کیا کبھی یہ زخم بھی بھرے گا

راوی: کلثوم فاطمہ

بھیا تم یہ نہیں جانتے کہ زخم اگر ٹھیک بھی ہو جائے تو اس کا نشان تو رہ جاتا ہے اسی طرح تمہارا لگایا ہوا زخم ایسا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت مندمل نہیں کر سکتی۔ اب اسے تم کیا ختم کرو گے!

بھیا تم میرے چچا زاد تھے۔ بچپن سے تم میرے ساتھ رہے۔ دراصل ابو اور چچا اکٹھے ہی رہتے تھے۔ ہم اکٹھے بڑھے پلے اور پھر جوانی کی حدود میں پہنچ گئے۔ مگر ہمارا پیار ختم نہ ہوا۔ وہ پیار جو ایک بھائی کو ایک بہن سے اور ایک بہن کو ایک بھائی سے ہوتا ہے۔ مگر یہ تم نے کیا کیا! بھیا تم انگلینڈ چلے گئے۔ بہتر مستقبل کے لئے اور اس لمحے جب سب تمہیں خدا حافظ کہنے کے لئے ائیرپورٹ پر کھڑے تھے۔ میں سب سے زیادہ اداس تھی۔ میں اپنے والدین کی پہلی اور آخری اولاد تھی۔ ہاں ان کی اکلوتی بیٹی زندگی میں پہلی دفعہ بہت اداس تھی اور جب تم گئے تو وہ رو پڑی پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ مگر تم نے اس کی ایک نہ سنی اور تم چلے گئے۔ ان دنوں میں بالکل بے کار رہنے لگی۔ کسی کام میں دل نہ لگتا مگر اس دوران تمہارے خطوں نے میری ڈھارس بندھائی اور میں خوش ہوتی یہ پڑھ کر کہ میرے بغیر اپنی بہن کے بغیر تم بھی اداس تھے اور پھر تم نے مجھے اپنی ایک تصویر بھی بھیجی۔ تم ایک مینار کے اوپر کھڑے تھے اور میں نے سمجھا کہ تمہیں خط لکھ دیا! بھیا! ابھی سے خودکشی کا ارادہ نہ کرو۔ ابھی تو مجھے بھابی کے ناز اٹھانے ہیں۔۔۔ اور پھر تم واپس آ گئے۔

ہم سب ائیرپورٹ پر تمہارے استقبال کے لئے کھڑے تھے تم پانچ سال بعد لوٹے تھے اور جب تم سب سے مل کر میرے پاس آئے تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور تم نے میرے آنسو پونچھ دیئے یہ کہتے ہوئے "میری بہن کو میرا استقبال آنسوؤں سے نہیں قہقہوں سے کرنا چاہئے اور میں مسکرا پڑی کہ تم نے مجھے یاد رکھا اور پھر گھر میں ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھر گئیں۔ اب چچا جان بہو لانے کا سوچنے لگے اور میں بھابی کے تصور سے خوش ہونے لگی۔ پھر تمہاری شادی ہو گئی۔ اس دن میں بہت خوش تھی اور پھر کتنے ہی دن ہنسی خوشی گزر گئے۔ تم نے بھابی کو ٹوٹ کر چاہا۔ مگر مجھے بھول گئے۔ نہ جانے چند دن سے تم کیوں مجھ سے دور رہتے تھے۔ تم اپنے آپ کو مجھ سے دور رکھتے۔ مگر میں تمہاری بیگانگی کی وجہ نہ جان پائی۔ تم سے پوچھتی ہی رہی بھیا! مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے جو تم مجھے اتنا ستا رہے ہو۔ بھیا! تمہاری نفرت میں برداشت نہیں کر سکتی اور آج ۔۔۔ آج تمہاری قمیص استری کرتے ہوئے نہ جانے کیا ہوا کہ تمہاری قمیص جل گئی اور تم نے مجھے بری طرح ڈانٹ دیا۔ ہاں تم کہہ رہے تھے۔ تمہارا ذہن ہر وقت گھومتا رہتا ہے۔ کن خیالوں میں کھوئی رہتی ہو۔ تمہارے ہاتھ ٹوٹ گئے تھے جو قمیص جلا دی۔ کس کے تصور نے تمہیں بے خبر کر رکھا تھا؟ میری التجا ہے تم سے کہ آئندہ میرا کوئی کام نہ کرنا۔ ہاں بھیا یہ تم تھے۔ تم جو اگر کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو ہنس کر ٹال جاتے۔ مگر یہ آج تم نے کیا کیا۔ تم نے آج یہ کیا کہہ دیا اور میں رو پڑی تو تم نے بے دردی سے کہہ دیا یہ جھوٹے آنسو مجھے موم نہیں کر سکتے۔ بھیا کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیوں تم پتھر ہو گئے ہو۔ اب تم مجھے بھول گئے تھے۔ مجھ سے اب نفرت کرتے تھے بھیا! میں کس کو دوش دوں، تمہیں؟ جو مجھے بھول گئے یا اپنے آپ کو جس نے تمہیں شدت سے چاہا کہ اب تمہاری بے رخی کو برداشت نہیں کر سکتی اور آج تم میرے پاس آئے تھے اور کہہ رہے تھے۔ غلطی ہو گئی، آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ مگر تمہاری ایک دفعہ کی بے رخی ذہن پر اتنا اثر ڈال چکی ہے کہ اب تمہارا مرہم کوئی کام نہیں دے سکتا۔

عورت: عورت خود ہی ایک فتنہ ہے اور اس کا لکھنا پڑھنا سیکھنا سخت ترین فتنہ ہے۔ سقراط

مرد آنکھ ہے تو عورت اس کی بینائی ہے۔ مرد پھول ہے تو عورت اس کی خوشبو ہے۔ سقراط

صحافی کی ڈائری

مختار حسن

ائیر اصغر خان

متحدہ پاکستان کے صدر بننے والے تھے





یحییٰ خان کی فوجی حکومت تین سابق فوجیوں سے خوفزدہ تھی۔ ان میں سے دو نوابزادہ شیر علی خان اور ائیر مارشل نور خان تو یحییٰ حکومت میں شریک رہے تھے، ایک وزیر اطلاعات اور دوسرے گورنر مغربی پاکستان رہے تھے۔ اگر یحییٰ خان یا ان کے مشیر ان سے خائف تھے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ یہ حضرات ان کے ساتھ کبھی شریک اقتدار رہے تھے اور ان کی وابستگی اقتدار کے منبع کے اندر اور باہر موجود تھی جب ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان سے خوف کی وجہ ان کے شیخ مجیب الرحمٰن سے سیاسی تعلقات تھے اور دسمبر ۱۹۷۰ء سے مارچ ۱۹۷۱ء تک مشرقی پاکستان کے بحران کے ابتدائی تین مہینوں میں جب پرامن انتقال اقتدار کے کچھ امکانات ابھی باقی تھے، تو یہ بات فضا میں موجود تھی کہ اگر عوامی لیگ نے حکومت بنائی تو متحدہ پاکستان کے صدر ائیر مارشل اصغر خان ہوں گے۔

فوجی حکمران سیاست دانوں سے زیادہ سابق فوجی سیاست دانوں کے معاملے میں محتاط ہوتے ہیں، حاضر فوجی اور سابق فوجی سیاست دانوں کے درمیان تعلقات کی صورت کم ہی خوشگوار ہوتی ہے اور ان دنوں تو کچھ زیادہ ہی ناخوشگوار تھی۔ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں کو یہ نظر آ رہا تھا کہ یہ تین سابق فوجی سیاست دان ایسا "چہرہ" رکھتے ہیں جو مغربی پاکستان کے عوام کو پاکستان بچانے کی خاطر متحرک (موبلائز) کر سکتے ہیں اور اگر ایک دفعہ عوام سڑکوں پر نکل آئے تو ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی قوت کے ذریعے شیخ مجیب الرحمٰن کی سرکوبی کا منصوبہ دھرا رہ جائے گا۔ مشرقی پاکستان کے بل پر پورے پاکستان میں اکثریت حاصل کرنے والے شیخ مجیب الرحمٰن کو یحییٰ خان صرف میدان سیاست میں نہیں، سیاسی ساز باز کے ذریعے ختم کرنا چاہتے تھے اور اس کام میں جناب بھٹو، صدر یحییٰ خان کے مددگار تھے۔ یحییٰ حکومت ان دنوں مشرقی بازو سے مفاہمت کی کوئی سیاسی تحریک پسند نہیں کرتی تھی۔ جو اس کے سیاسی دست و بازو ذوالفقار علی بھٹو کی عوام میں حیثیت کمزور کر دے۔ اس کی وجہ یحییٰ خان اور ان کے ساتھیوں میں جناب بھٹو کی کامیابی سے زیادہ وقت کی ضرورت تھی وہ تینوں سابق چہرے "متحدہ پاکستان" کے نام پر مغربی پاکستان میں عوامی تحریک کا طوفان اٹھا سکتے تھے۔ اور ان حضرات میں ائیر مارشل اصغر خان تو مشرقی پاکستان میں بھی قابل قبول تھے۔ ان کے بعد ائیر مارشل ریٹائرڈ نور خان اور میجر جنرل ریٹائرڈ نوابزادہ شیر علی خان بھی مشرقی بازو میں خیر سگالی (گڈول) رکھتے تھے ان میں سے کوئی بھی پاکستان کو بچانے کے لئے کھلے میدان میں نکل آتا تو صورت حال مثبت رخ پر بدل سکتی تھی۔

حالات کی یہ صورت حال ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء تک برقرار رہی، ۲۵ مارچ کو جب یحییٰ حکومت نے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی شروع کی تو صورت حال میں بنیادی تغیر رونما ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۷۰ء سے مارچ ۱۹۷۱ء تک تین ماہ کا یہ موقع ان تینوں سابق فوجی سیاست دانوں میں سے کسی نے استعمال نہیں کیا۔ حالانکہ نوشتہ دیوار سامنے نظر آ رہا تھا کوئی تینوں بھی بروئے کار نہ آیا یہ ابھی دنوں کی بات ہے کہ ایک شام کوہستان کے ایڈیٹر جناب عبدالوحید خان نے سرکاری خبر رساں ایجنسی اے پی پی کریڈ سے دو آئٹم میرے حوالے کئے۔ جو یکے بعد دیگرے ٹیلی پرنٹر پر نمودار ہوئے تھے پہلا آئٹم اے پی پی کے تمام مراکز اور خبریں وصول کرنے والے اداروں کے نام تھا۔ جس میں مارشل لاء حکام نے ذرائع ابلاغ کو تنبیہ کی تھی کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور دیگر مارشل لاء ہیڈ کوارٹر (اشخاص) پر تنقیدی حملے مارشل لاء ضوابط کے تحت قابل تعزیر جرائم ہیں اور ذرائع ابلاغ کو یہ یاد دلایا گیا کہ ائیر مارشل نور خان، ائیر مارشل اصغر خان اور نوابزادہ شیر علی خان کے بیانات کے ضمن میں جاری کی جا رہی ہیں یہ کریڈ، شام کے تین بجکر پانچ منٹ پر آیا تھا، اور پانچ منٹ کے بعد تین بجکر دس منٹ پر دوسرا آئٹم، تھا جس میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا۔

"مارشل لاء حکام نے ہدایت کی ہے ان تین صاحبان ائیر مارشل ریٹائرڈ نور خان ائیر مارشل ریٹائرڈ اصغر خان اور نوابزادہ شیر علی خان کے بیانات اور تقاریر کو مکمل طور پر بلیک آؤٹ کیا جائے"

ہم اخبار نویس مارشل لائی اور غیر مارشل لائی حکومتوں کی طرف سے اس نوعیت کی ہدایات کے عادی ہیں انہیں عرف عام میں، پریس ایڈوائس (PRESS ADVICE) کہا جاتا ہے ان پریس ایڈوائسز کا عمومی طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وزارت اطلاعات کے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کا کوئی اعلیٰ عہدیدار اخبار کے ایڈیٹر کو درخواست کے لہجے میں مشورہ دیتا کہ فلاں خبر کا شائع ہونا عمومی مفاد میں نہیں ہے، اور اگر کوئی ایسی سنگین صورت حال ہوتی تو نیوز ایڈیٹروں کو مطلع کیا جاتا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پریس ایڈوائس تحریری صورت میں آئے اور تحریر بھی ایسی کہ باقاعدہ خبر رساں ایجنسی کے ذریعے ٹیلی پرنٹر پر آئی ہو۔ یہ بہت بڑی مداخلت تھی یا بہت بڑی تبدیلی کا مظہر تھی۔ کوئی ایسی تبدیلی جس سے آنے والے یہ نہیں جانتے تھے کہ ذرائع ابلاغ سے کیسے مخاطب ہوا جاتا ہے۔

ائیر مارشل نور خان اور نوابزادہ شیر علی خان لاہور میں موجود تھے، ائیر مارشل اصغر خان کہیں ایبٹ آباد میں موجود تھے۔ ایڈیٹر [illegible] نے ان دونوں صاحبان فوجی سیاسی رہنماؤں سے فون ملانے کی کوشش کی اور [illegible] معلوم ہوا کہ ان دونوں حضرات گرامی کے فون کٹے ہوئے ہیں۔ ائیر مارشل نور خان ان دنوں گلبرگ میں رہتے تھے، روزنامہ کوہستان کا دفتر میکلوڈ روڈ پر تھا پلازہ رنگ روڈ چوک کے قریب نوابزادہ شیر علی خان کی حویلی تھی۔ نوابزادہ شیر علی خان شکل و شباہت اور قد کاٹھ میں نپولین سے ملتے جلتے محسوس ہوتے تھے۔ اس مشابہت کا ان سے ملنے والوں کو اور خود انہیں بہت احساس تھا وہ اپنی اسی نپولین نما تصویر والے کمرے میں ملے میں نے انہیں کریڈ دکھائی اور معاملات کی اس صورت کے بارے میں دریافت کیا۔ نوابزادہ شیر علی خان ان دنوں کچھ ایسے فعال نہیں تھے مشرقی پاکستان میں اٹھتے ہوئے طوفان سے وہ ہر پاکستانی کی مانند متفکر تھے لیکن ان کے سامنے نہ کوئی راہ تھی اور نہ وہ کوئی نعرے لے کر نکل رہے تھے البتہ پیپلز پارٹی کی توڑ پھوڑ اور اسے اپنے ٹھکانے پر لانے کے سلسلے میں گپ شپ لگاتے رہتے تھے۔

ائیر مارشل نور خان رہتے تو گلبرگ میں تھے لیکن ان کا وہ بنگلہ ان متعدد بنگلوں میں پھیلی ہوئی کوٹھیوں کی طرح نہ تھا جو گلبرگ کا نام آتے ہی ذہن کے پردے پر ابھرتی ہیں۔ یہ اپنے طرز کا جدید اور قد سے منفرد بنگلہ تھا۔ لیکن گلبرگ کی ان کوٹھیوں انہیں دیکھ کر ایک اعلیٰ امریکی سفارت کار حیرت سے چیخ اٹھا تھا کہ میں نے اتنے بہت سے محل ایک جگہ اکٹھے نہیں دیکھے۔ یا گورنر ہاؤس سے ان کا کوئی تقابل نہیں کیا جا سکتا تھا جہاں سے ائیر مارشل نور خان اٹھ کر میدان سیاست میں چلے آئے تھے ائیر مارشل نور خان نے صاحبزادہ احمد رضا قصوری کے دفتر کے قریب ہی مال روڈ پر لارڈز ہوٹل کے سامنے اپنا دفتر قائم کر رکھا تھا، جہاں ان کے گرد متنوع نظریات اور پس منظر رکھنے والے افراد جمع تھے محترمہ فاطمہ جناح کی انتخابی مہم میں شہرت حاصل کرنے والے شاعر جناب حبیب جالب اور "لیفٹ" سے تعلق رکھنے والے صحافی و دانشور جناب مظہر ملک (ہفت روزہ لیل و نہار کے مالک) بھی وہاں تھے اور ان کے دور گورنری میں ان کے قریب رہنے والے متنوع ذوق و شوق کے افراد بھی تھے۔

ائیر مارشل نور خان کو جب ان کے گھر پر اس صورت حال سے آگاہ کیا تو ان پر کئی جذبوں کی [illegible] رہی۔ وہ اس مکان کی سٹڈی میں تھے انہوں نے اپنے گھر پر اپنا دفتر بنا رکھا تھا، ٹہلتے رہے بیٹھتے رہے اور ہر نئے جذبے کے ساتھ اٹھ اٹھ کر ٹہلتے ہوئے باتیں کرتے رہے ۱۹۶۵ء کی فضائی جنگ جیتنے والے پاکستانی فضائیہ کے چیف شاید ہی کبھی ایسی اعصابی آزمائش سے گزرے ہوں گے کہ ایک طرف اخبارات کے نام اس ہدایت کے الفاظ اور توہین آمیز لہجہ دوسری طرف یہ بھی کہ ٹیلیفون تک کاٹ دیا گیا ہے اور مستزاد اور یہ حقیقت کہ وہ اقتدار جو کبھی ان کا بھی تھا آج وہاں سے ان کے خلاف احکامات جاری ہوتے ہیں اور وہ وقت اقتدار جو آج ان کے مقابل ہے۔ جس حد تک جا سکتی ہے، اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ گھر کا ٹیلیفون بھی کاٹ دیا گیا۔

انہیں اپنے گھر پر دیکھ کر یہ بہت بڑی خبر کا سلوشن ہو گیا تھا۔ باقی معاملات تو [illegible] گپ شپ کا تھا۔ ائیر مارشل نور خان نے بتایا کہ وہ گھر پر اکیلے ہیں۔ ایک یا شاید دو نوکر موجود ہیں۔ بہر حال وہ انہیں موجود [illegible] نہیں کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ان کی بیگم اور دو بیٹیاں آ گئیں۔ جن کے آنے پر ائیر مارشل نور خان [illegible] محسوس ہونے لگے۔ [illegible]

اس شام جو بات کے پہلے حصے تک طویل ہوتی رہی، ائیر مارشل نور خان نے [illegible] ٹہلتے ہوئے طویل گفتگو [illegible] ان تین افراد میں کیا قدر مشترک ہے۔ اور انہیں ان تین سیاست دانوں میں کیوں شامل کیا گیا ہے جن کا یحییٰ حکومت اخبارات اور ذرائع ابلاغ و نشر و اشاعت پر مکمل "بلیک آؤٹ" چاہتی ہے۔ میرا تجسس تھا کہ آپ تینوں حضرات الگ الگ یا مل کر متحدہ پاکستان کو بچا سکتے ہیں اور آپ کو اس لئے ان حضرات میں شامل کیا گیا اور آپ کا نام پہلے رکھا گیا ہے کہ آپ اگر میدان میں نکلیں تو غالباً یہ کام سب سے بہتر کر سکتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں آپ کے خلاف غم و غصہ نہیں، انتخابات میں آپ نے جناب اصغر خان کے برعکس حصہ نہیں لیا۔ اس لئے آپ کے خلاف کچھ اور بھی کم ہے "لیفٹ" بھی ایک حد تک آپ کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے جب کہ نوابزادہ شیر علی خان سے "لیفٹ" الرجک ہے۔

اسی دوران ائیر مارشل نور خان کا ٹیلیفون بحال ہو گیا اور پہلا فون پاکستان کی غیر سرکاری خبر رساں ایجنسی پی پی آئی کے چیف نیوز ایڈیٹر اور لاہور کے بیورو چیف جناب بشیر قریشی کا آیا۔ جناب بشیر قریشی وہی صحافی ہیں، جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے مشہور "لکس آپ" کا سامنا کیا۔ بھٹو کی پریس کانفرنس سے اس دھمکی پر احتجاجاً واک آؤٹ کیا، اور جب بھٹو کو اقتدار ملا اور پی پی آئی جناب بھٹو کے ایک صنعت کار دوست کو دلوا دی گئی۔ تو جناب بشیر قریشی کو پشاور تبدیل کر دیا گیا جہاں ان کے شاگرد جناب رمضان عادل بیورو چیف تھے جناب بشیر قریشی بہت بڑے صحافی اور اس سے بڑے (بھی) انگریزی زبان کے ماہر ہیں وہ پاکستان کے ان چند انگلش لکھنے والوں میں سے ہیں جن پر اہل زبان بھی رشک کرتے ہیں جناب بشیر قریشی نے ائیر مارشل نور خان کے نکات کو فون پر ہی لکھا اور چند منٹ بعد پی پی آئی کی کریڈ کے لئے تیار، سٹوری ذخیرہ سے مضمون تک تحریر کے لئے صحافتی اصطلاح [illegible] لیکن ائیر مارشل نور خان کا یہ بیان کہیں چھپ نہ سکا۔

ائیر مارشل نور خان مشرقی پاکستان کے بارے میں یحییٰ خان حکومت کی سکیم الٹ پلٹ کر سکتے تھے اگر مغربی پاکستان میں سر میدان نکلتے تو بڑے بڑے ہجوم کھینچ (ATTRACT) سکتے تھے۔ وہ ہجوم جنہیں کوئی سمت دی جائے تو تحریکیں وجود میں آ جاتی ہیں، مٹ جاتی ہیں، منظم ہو سکتی ہیں، بکھر سکتی ہیں۔ یہ ملاقات ائیر مارشل نور خان سے ان دنوں ہونے والی متعدد ملاقاتوں کا پیش خیمہ بن گئی ائیر مارشل نور خان سے ملاقاتیں ان کے گھر پر ہوتی تھیں۔ دفتر میں وہ [illegible] افراد میں گھرے رہتے تھے وہاں ایک ترجیحات کرنا ممکن نہ ہو پاتی دوسرے وہاں بامعنی بات کے لئے وقت بھی نہ ہوتا تھا۔ تیسرے ان لوگوں کے درمیان ایسی بات کی بھی نہ جا سکتی تھی۔

یہ وہ دن تھے جب ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو مشرقی پاکستان جانے والے ارکان قومی اسمبلی کی ٹانگیں توڑ دینے کا اعلان کر چکا تھا اور دوسری طرف مارچ کے پہلے ہفتے میں بلائی جانے والی متحدہ پاکستان کی منتخب اسمبلی کا ڈھاکہ میں ہونے والا پہلا اجلاس یحییٰ خان ملتوی کر چکا تھا، مشرقی پاکستان کا بحران سیدھا سیدھا علیحدگی کی طرف لڑھکتا چلا جا رہا تھا۔ ائیر مارشل نور خان نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نماز جمعہ کے بعد شاہی مسجد لاہور کی سیڑھیوں پر جلسہ کریں گے اور عوام کو وہ سب کچھ بتائیں گے جس کی اس وقت پٹ ویز ہو رہی ہے اس وسیع سازش کو بے نقاب کریں گے مشرق اور مغرب میں اتحاد اور سیاسی افہام و تفہیم کے ذریعے بحران کے حل کی بات پر زور دیتے تھے ائیر مارشل نور خان کی رائے تھی کہ ان کی اس پیش قدمی (INITIATIVE) کو نہ صرف یحییٰ حکومت ناپسند کرے گی بلکہ پیپلز پارٹی اپنے مفادات کے تحت ان کی شدید مخالفت کرے گی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ عین ممکن ہے کہ شاہی مسجد کی سیڑھیوں پر جلوس کی طرح کا یہ جلسہ پیپلز پارٹی کی ہلڑ بازی کا شکار ہو جائے کیونکہ بھٹو اور پیپلز پارٹی مشرقی پاکستان اور وہاں جیتنے والی پارٹی سے تصادم کی راہ پر چل رہے تھے۔ ائیر مارشل نور خان کی سوچ سامنے تھی کہ کون کون سے گروہ اور سیاسی جماعتیں اس (INITIATIVE) کی مخالفت اور کون کون سی جماعتیں حامی ہو سکتی ہیں۔ حمایت کی حدود (EXTENT) یعنی کیا ممکن ہے اور کونسی جماعتیں پختہ کارکن دے سکتی ہیں جو اس متوقع ہلڑ بازی پر قابو پا سکے۔ ائیر مارشل نور خان نے بالآخر یہ طے کیا کہ جماعت اسلامی ہی ایسا مضبوط کارکن دے سکتی ہے جن کے ذریعے اس تحریک کا آغاز ہو سکتا ہے بلکہ مغربی پاکستان کے عوام جن کی ۷۲ فیصد اکثریت نے بھٹو کے خلاف ووٹ دیا۔ مشرقی پاکستان سے افہام و تفہیم کے نکتے پر متفق اور متحرک ہو جائے گا۔

۱۲ مارچ [illegible] ۱۹ مارچ کا جمعہ ائیر مارشل نور خان اس کے [illegible] تصور کرتے رہے ان کا جماعت اسلامی میں کسی سے ربط نہیں تھا [illegible] سیاسی [illegible] ان کے دور گورنری کے حوالے سے ان کے حق میں فضا نہیں تھی جماعت اسلامی کے مرکز میں سید سمیع الحسن گیلانی مرحوم ان دنوں پارلیمانی امور اور [illegible] سیاسی مذاکرات گفت و شنید کے شعبے کے سربراہ تھے ائیر مارشل نور خان نے فون پر ان سے گفتگو شروع کی۔ ۱۲ مارچ کا جمعہ تو اسی طرح گزر گیا آخر کار یہ طے ہوا کہ ائیر مارشل نور خان کی جماعت اسلامی کے رہنماؤں سے باقاعدہ ملاقات ہوگی اور اس کے لئے ۱۶ یا ۱۷ مارچ کی تاریخ کا تعین بھی ہوا لیکن ائیر مارشل نور خان عین آخری وقت تردد کا شکار ہو گئے کبھی انہیں خیال آتا کہ وہ اتنا بڑا کام اتنی بڑی تحریک [illegible] چلائیں گے اور کبھی انہیں یہ خیال آتا کہ [illegible] جماعت اسلامی ان کا [illegible] نہیں رہی اب یہ جلسے [illegible] ائیر مارشل نور خان شیکسپیئر کے پرنس کی طرح

(TO BE OR NOT TO BE)

کے تذبذب میں پھنس گئے۔ ادھر وقت تیزی سے نکل رہا تھا۔ حتیٰ کہ ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کی شام وہ منحوس گھڑی آ پہنچی۔ جب مشرقی پاکستان میں آپریشن کا آغاز ہو گیا، مشرقی پاکستان میں آپریشن سے بچنے کے لئے یہ واحد کوشش تھی۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۰ء سے ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء تک ایسی کوششیں ہو بھی [illegible] اور اگر انہیں کامیابی نصیب نہ ہونا تھی تو پھر

اے موت تجھے موت آ جاتی
اے وقت تو فنا ہو جاتا
ہمارا پاکستان تو قائم رہتا

بقیہ
ببتو شیرہ

حالات کے بارے میں استفسار کرتے رہتے ہیں۔"

"خوش کیتا ای" ایک بار پھر اس نے اپنے خوش کن ردعمل کا فوری اظہار کیا مگر میں یہ بات اب پورے طور پر سمجھ گیا تھا کہ اسے بات بے بات "خوش کیتا ای" کہنے کی عادت ہے۔

"لیکن یہ سمجھ نہیں آتا......" اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "کہ باہر ملکوں میں مقیم لوگوں کو جو پاکستان سے باہر رہنے کے سبب ایک طرح سے یہاں کے معاشرہ و مسائل سے لاتعلق سے ہو گئے ہیں۔ یہاں کے اندرونی مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور انہیں پاکستان کا اتنا فکر کیوں لاحق رہتا ہے۔"

"اگر یہ جاننا ہو تو غم روزگار اور فکر معاش کی تلاش میں سرگرداں بیرونی ممالک میں مقیم اپنے بچھڑے ہم وطنوں کی نم دار آنکھوں میں جھانک کر دیکھیے کہ انہیں پاکستان کتنا عزیز ہے۔ پاکستان کی حدود تو اب پاکستان سے باہر نکل کر مشرق وسطیٰ، یورپ، اسکینڈے نیویا بلکہ شمالی امریکہ تک پھیل گئی ہے جہاں انتہائی محب وطن پاکستانی آباد ہیں اور جو اسی نسبت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ لہٰذہ اپنے ماں جایوں سے وابستگی اور اپنے آبائی وطن کا فکر ایک قدرتی امر ہے" میں اب اسی سے اس طرح بال کی کھال نکالنے کے انداز گفتگو سے اکتا گیا تھا۔

"اگر محب وطن پاکستانی پاکستان سے باہر آباد ہو گئے ہیں تو پھر آپ کے خیال میں یہاں پاکستان میں کون آباد ہیں" اس کے لہجے سے طنز جھلک رہا تھا۔

"ببتو شیرہ" بے اختیار میرے منہ سے نکلا اور میں تنگ آ کر اٹھنے کی تیاری کرنے لگا۔

"خوش کیتا ای" وہ ایک بار پھر جھوم گیا مگر میں اتنے عرصہ میں ریستوران سے باہر نکل چکا تھا۔

بدصورت

ایک بچی بہت دیر سے روئے جا رہی تھی ایک ۸۰ سالہ بوڑھی عورت نے اس سے کہا "بیٹی رونے سے چہرہ بدصورت ہو جاتا ہے" بچی نے سر اٹھایا، بڑھی بی پر نظر ڈالی اور بولی کیا آپ بھی بہت روتی تھیں؟

پکوان

گاجر کی کھیر یا گجریلا!

اجزاء: گاجر ایک کلو، دودھ دو سیر، چاول ایک چھٹانک، چینی ایک پاؤ یا حسب ذائقہ، گھی آدھ پاؤ، الائچی آٹھ، کیوڑہ چار چمچے، چاندی کا ورق حسب ضرورت۔

ترکیب:۔ گاجروں کو چھیل کر ان میں سے گٹھلی نکال دیں۔ اور کدوکش کر لیں، دودھ کو ایک پتیلی میں چڑھائیں اور ایک جوش آنے پر اس میں گاجریں اور پہلے سے بھیگے ہوئے چاول دونوں ایک ساتھ ڈال دیں اور آنچ ہلکی کر دیں کوئی گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد دیکھیں کہ گاجر گل گئی ہے اور دودھ خشک ہو کر ضرورت کے مطابق رہ گیا ہے تو اس میں چینی اور گھی شامل کر لیں اور چمچے سے خوب حل کریں۔ کہ گاڑھے کر کھیر کی شکل اختیار کر لیں، اب اس میں الائچی پیس کر اور کیوڑہ ڈال دیں اور نیچے اتار لیں اور ڈش میں نکال لیں یا پلیٹوں میں ڈال دیں آپ کو پسند ہو تو اوپر بادام کاٹ کر ڈال دیں اور ورق لگا کر پیش کریں بہت مزیدار کھیر تیار ہو گی۔

چائنیز پلاؤ

اجزاء: چاول آدھ سیر، گھی آدھا سیر، انڈے دو عدد، مرغی ابلی ہوئی چند ٹکڑے، گاجر دو عدد ابلی ہوئی، گوبھی کے پھول نچلا حصہ کے چند ٹکڑے، نمک حسب ذائقہ، کٹے ہوئے پیاز مع ہری ڈنڈی کے، اچار ...

ترکیب:۔ چاول نمک ملا کر دو کنی ابال لیں اور باریک کپڑے سے چھان لیں، سب سبزیاں اور مرغی کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ ابال کر تیار کر لیں۔ ایک دیگچی میں ڈال دیں صرف گرم کر کے اس میں بھی، اب اس میں کٹی ہوئی سبز پیاز مع سبز ڈنڈی کے، ابلی ہوئی سبزیاں اور مرغی کے ٹکڑے اور ... ہری مرچ کاٹ کر ڈال دیں، ایک دو چمچے چلانے کے بعد دونوں انڈے کھول کر ڈال دیں اور جلدی جلدی چمچہ چلائیں زیادہ بھونیں نہیں اور سرخ کریں اب اوپر چاول ڈال کر دم پر لگا دیں۔ پندرہ منٹ کے بعد جب چاول ٹھیک ہو جائیں، تو اتار لیں چائنیز پلاؤ تیار ہے۔

(اگر آپ چاہیں تو سبزیوں میں مٹر بھی شامل کر سکتی ہیں۔)

عفت رشید

تشکار!

ایک مذہبی رہنما غریب ملک کے مفلوک الحال عوام سے خطاب فرما رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ تمہیں سوکھی روٹی تو مل رہی ہے۔ سوکھی روٹی روح کو پاکیزگی عطا کرتی ہے۔ لوگو جب تمہاری روحیں پاک ہو جائیں تو مذہب کی عظمت اور قدر و قیمت کا احساس ہو گا وہ لوگ جو روٹی کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اللہ انہیں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دے گا۔ ابدی آگ میں جلنے سے بہتر ہے کہ چند روزہ زندگی کی چند روز بھوک کو برداشت کر لیا جائے۔ روٹی کے پیچھے دوڑنے والو تم لوگوں نے روٹی کے نام پر ووٹ دے کر اپنے لئے جہنم خرید لیا ہم تمہیں جنت کا راستہ دکھاتے ہیں اور تم نے جہنم کا رخ کیا۔

ارے بھوک کیا چیز ہے۔ پیٹ کے دوزخ کو اہمیت دو۔ ہمارے مذہب میں تیسرے دن کے فاقے پر تو سور بھی حلال ہے۔ اتنے میں ایک بھوکے کی آواز آئی۔ اب تو بچ کر کہاں جاؤ گے۔

(مرسلہ: عبدالرحمٰن سلیمی)

خوبی

عورتوں میں بڑی خرابی ہے کہ جب مل کر بیٹھتی ہیں تو ہر عورت کی برائی کرتی ہیں جو وہاں نہ ہو اس کے برعکس مردوں میں بڑی خوبی ہے کہ جب بھی مل کر بیٹھتے ہیں تو ہر اس عورت کی تعریف کرتے ہیں جو ان کی بیوی نہ ہو۔